عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ / جنوری ۲۰۱۷ء

Reg No. P476

جلد: پنج دهم

شمارہ: 5

فہرست

فی شمارہ : -/20 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/250 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل : physiologist72@hotmail.com

zayadtariq@hotmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

تعزیت

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے ہندوستان کے بزرگوں کی آخری یادگار حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے جدا ہو گئے۔ اتنی بڑی برکت سے محروم ہونا پوری دنیائے اسلام کے لئے عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً بہت بڑا المیہ ہے۔ جناب سلیم اللہ خان صاحب تھانوی، مدنی دونوں نسبتوں کا سنگم تھے۔ ایک عرصہ تک ان کی تعلیم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے خلیفہ مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے مدرسے میں جلال آباد میں ہوئی جو تھانہ بھون سے دو میل دور ایک قصبہ ہے۔ ان کا دورۂ حدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہوا اور وہ انہی سے بیعت بھی ہوئے۔ پاکستان بن جانے کی وجہ سے انھیں پاکستان منتقل ہونا پڑا جس کی وجہ سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تکمیلِ سلوک کا باب مکمل ہونے سے رہ گیا۔ پاکستان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں جم کر تدریس کرنے کا موقع دیا۔ ان کی تدریسی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں اور اللہ نے خود انھیں ایک بہت بڑے مدرسے کا بانی بنایا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے حضرات کی تاک میں رہتے تھے جس کا اکابرین کے ساتھ بیعت کا تعلق ہوا ہو، اہل ہوں لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر ان کے سلوک کی تکمیل نہ ہو سکی ہو۔ اس ترتیب پر انھوں نے کئی حضرات کو ڈھونڈا اور ان کو خلافتیں عطا فرمائیں۔ چنانچہ سلیم اللہ خان صاحبؒ بھی ان شخصیات میں سے تھے جن کو حضرتؒ نے ڈھونڈ نکالا۔ سلیم اللہ خان صاحبؒ کی پشاور آمد ورفت شروع ہوئی۔ بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی مجلس میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کی تشریف آوری ہوئی۔ بندہ کو بھی زیارت اور ملاقات کا موقع ملا۔ اس تھوڑے سے تربیتی دورانئے کے بعد حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے انھیں خلافت عطا فرمائی۔ اس

کے بعد تقریباً تیس سال تک حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو تدریس اور سلوک دونوں راستوں سے امت کو سیراب کرنے کا موقع ملا جس میں انھوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دئے۔ چنانچہ پاکستان کے علماو مشائخ کا سب سے بڑا اعزاز وفاق المدارس کی صدارت انھیں ملی اور تاحیات اس کے صدر رہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں علیین میں بلند مقامات نصیب فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب ہم سے جدا ہو گئے۔ حضرت کے والد صاحب جناب عبدالحق صاحب کے ساتھ بندہ کی ملاقات رہی۔ بہت کامیاب اور مالدار تاجر تھے۔ اپنا کاروبار مکہ مکرمہ منتقل کر دیا تھا۔ چنانچہ مکی صاحب کا اول زمانہ اسی فضا میں گزرا، اس لئے ان کی عربی اہل زبان کی عربی تھی۔ علوم کی فراغت ہندوستان سے کی۔ اس کے بعد تبلیغی جماعت کا ایک سالہ تربیتی دورانیہ گزارا۔ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور ان کے سلوک کی ترتیب مکمل کر کے خلافت پائی۔ مستقل قیام مکہ مکرمہ میں ہی رہا۔ ساری زندگی تدریس میں مصروف رہ کر اور حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے سلسلے کی اشاعت کرتے ہوئے گزاری۔ سلسلے کی اشاعت میں پاکستان اور کئی ممالک کے تفصیلی دورے کئے۔ کافی تعداد کو ان سے فیض ہوا۔ کئی حضرات کو ان سے خلافت ملی۔ بعض اوقات لوگ اعتراض کرتے تھے کہ خاطر خواہ تربیت سے پہلے ہی خلافت دے دیتے ہیں۔ بہرحال یہ ان کی صوابدیدی رائے تھی۔ اس طرح کے کئی خلفاء محنت مشقت کر کے کامل ہو جاتے تھے۔ جو خلیفہ خلافت پر ہی اکتفا کر لے اور آگے ترقی کرنے سے قاصر رہے یہ اس کا اپنا فعل ہوتا ہے۔

کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اپنی دو عربی تصانیف ”طبقات الحنابلة الصوفية“ اور ”مسائل السلوک فی کلام الملک الملوک“ بندہ کو بھی پہنچائیں۔ کچھ عرصہ پہلے انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کی بنیاد رکھ لی تھی۔ اس پر یہ تأثر ہوا کہ انھوں نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ہوتے ہوئے

کیوں تنظیم بنالی۔کارکردگی کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ ضروری کام کرنے کے لئے اتنا وسیع میدان تھا جو کہ اکیلے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے لئے سر کرنا مشکل تھا۔صوبہ سرحد میں جب مجھ سے شبان ختم نبوت کی سرپرستی کا کہا گیا تو یہی بات میرے خیال میں بھی آئی لیکن جب گلی گلی کوچہ کوچہ پھر کر اور محلے کی سطح تک شبان نے تربیتی کورس منعقد کئے تو بندہ کو اندازہ ہوا کہ شبان نے بھی اپنی موجودگی کے لئے پورا ثبوت فراہم کردیا۔مرحوم جب پشاور تشریف لاتے تو ہماری خیر خبر ضرور رکھا کرتے تھے۔یونیورسٹی میں ایک بیان کرنے کا ہمارا مطالبہ بھی مان لیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ انھیں علیین میں مقاماتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے اوران کے خلفاء کوسلسلے کی ترویج کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وفات پانے والے بزرگوں کے حالات:

(صفحہ ۹ سے آگے)

فرمایا کہ میں نے پشاور یونیورسٹی میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور نکلنے لگا تو ایک طالبِ علم آیا۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب: میں نے ایک خواب دیکھا ہے اوراس میں مجھے زیارت ہوئی حضور ﷺ کی۔انھوں نے فرمایا کہ ایک ہفتے کے اندر میرے بیٹے کی وفات ہو جائے گی۔میں نے کہا برخوردار! آپ کا خواب یہ بات بتارہا ہے کہ ایک بہت اونچے درجے کے عالم وفات پانے والے ہیں۔اس کے بعد کا جمعہ آیا تو ہمارے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ ہے پشاور کے باہر لنڈی ارباب گاؤں میں، وہاں میں گیا تو ساتھیوں میں سے ایک نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کی وفات ہو گئی۔میں نے کہا کہ سبحان اللہ! ہمارے ایک عام طالبِ علم کو ایک ہفتہ پہلے ہی اس کی اطلاع جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوگئی تھی۔

مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ اشاعتیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے اور مسلک دیوبند پر آگئے تھے۔ان کی وفات کے بعد میں نے ان کو خواب میں دیکھا سفید کپڑوں میں ملبوس۔مفتی محمود صاحبؒ کو خواب میں دیکھا سفید کپڑوں میں ملبوس اور زندہ بھی ہیں۔کسی آدمی کو دیکھا کہ ان کی ایڑی پکڑنا چاہتا ہے تو اس کی تعبیر یہ آئی کہ سیاست اس آدمی کو مل جائے گی لیکن بس نری سیاست ہی ہوگی۔ (جاری ھے)

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۸۳)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق کو پنجہ مار کر پکڑنا ہوتا ہے، پس جس نے پنجہ مار کر پکڑ لیا اللہ کو اس کو سیدھے راستے کی ہدایت ہوئی:

فرمایا کہ ڈاکٹر سفیر صاحب کہتے تھے کہ میں جب شروع میں آیا تو مجھے ڈاکٹر مبشر صاحب نے کہا کہ یہاں پر ایک درس ہوتا ہے اور درس دینے والے ہمارے پروفیسر بھی ہیں، تو آپ بھی بیٹھا کریں۔ میں نے سوچا اچھی بات ہے بیٹھا کریں گے۔ یہ تو واقعی بڑے کام کی بات بتائی، بڑا اچھا سینئر تھا، کیونکہ ہمارا تو امتحان اور پرچوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ خیر چند دن جو درس میں بیٹھے تو وہاں تو بات ہی دوسری تھی۔ قرآن تو ایک زندہ کلام ہے، اللہ نے دوسرا رخ ہی سامنے کر دیا۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ میں نے تو سلسلے کے ظاہری وسائل کو نظر میں رکھ لیا۔ یہ تو ایسے بودے ہیں جیسے مکڑیوں کا جالا اور اصل تو وہ "عروۃ الوثقٰی" ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے تعلق کا وہ مضبوط کڑا ہے، کہ اگر وہ ہاتھ آ جائے تو کسی کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لئے آدمی کو یقین تو اللہ کی ذات پر اور اعمال پر ہونا چاہئے۔

ایک ساتھی سے میں نے کہا کہ فلاں سیاسی پارٹی تو بہت گڑ بڑ کر رہی ہے، آپ کیوں ان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ کہنے لگا: ڈاکٹر صاحب! آپ تو ایسی نوکری میں ہیں کہ تبادلوں کی مصیبت سے بچے ہوئے ہیں، ہمیں تو دس دفعہ تبدیل ہونا پڑتا ہے اور اگر ان سیاسیوں کے ساتھ تعلقات نہ رکھیں تو کیا کریں۔ میں نے کہا: انجینئر صاحب! اللہ کی شان دیکھیں مجھ پر تو ڈیڑھ سال یہ مصیبت رہی، جگہ جگہ عدالتوں میں دھکے کھائے لیکن میں نے دو نیتیں کی ہوئی تھیں، ایک یہ کہ جمعیت علمائے اسلام والوں سے ہمارا تعلق ہے ان کو کبھی کام کا نہیں کہوں گا، اور دوسرا تبلیغ والوں کے ساتھ تعلق ہے تو ان کو بھی مدد کا نہیں کہوں گا۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری ہوئی تو انھوں نے کہا کہ برخوردار حزب البحر پڑھ لیا کرو آپ کو اجازت ہے۔ میں نے سوچ لیا کہ بس اسی کو پڑھیں گے اور اسی پر اللہ

تعالیٰ مسئلہ حل کرلے گا اور جو ظاہری اسباب میں کہیں آنا جانا ہوا تو کرلیں گے لیکن سلسلے والوں کو مدد کا نہیں کہیں گے تاکہ سلسلے کا تعلق دنیا کے مفادات کو حاصل کرنے کے لئے نہ ہو۔ حالانکہ سلسلے تو ایسی چیز ہوتے ہیں کہ سلسلے والوں کی آپس میں ماں باپ، اولاد اور بہن، بھائیوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اس میں اپنے بھائی کو تکلیف میں دیکھ کر آدمی سے برداشت نہیں ہوتا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آدمی اس کی مدد کو کھڑا نہ ہو اور اس کو نکالنے کی فکر نہ کرے۔ مرید کے حالات پر تو ایسی پریشانی ہوتی ہے جیسے اپنی اولاد کے حالات پر پریشانی ہوتی ہے۔ اور جب تک وہ تکلیف سے نہ نکلے تو آدمی کو اطمینان نہیں ہوتا۔ سلسلے والوں کو اس طرح ضرور کرنا چاہیے لیکن ضرورت مند کو سوائے ذاتِ ذوالجلال کے کسی کی آس نہیں لگانی چاہیے۔

تو یہ عروۃ الوثقیٰ کو پنجہ مارنا ہے، اس مضبوط کڑے کو پنجہ مار کر پکڑنا وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ مولانا صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہمارے استاذ صاحب ہمیں پشتو میں پڑھاتے تھے تو اس کی تشریح میں کہتے تھے "منگولے خخول" جیسے باز پنجہ مار کر کسی چیز کو ایسا پکڑ لیتا ہے کہ اس سے پھر ہٹتا نہیں اور نہ اس کے ہاتھ سے وہ چیز چھوٹتی ہے۔ تو اس مضبوط کڑے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق کو پنجہ مار کر پکڑنا ہوتا ہے۔ پس جس نے پنجہ مار کر پکڑ لیا اللہ کو، اس کو سیدھے راستے کی ہدایت ہوئی۔ ؎

در دشت جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ
(زبورِ عجم: اقبالؒ)

شیخ کے ذمے ہوتا ہے کہ وہ مرید کو ایسی ترتیب سے چلائے کہ اس کے دنیا و آخرت کے مفادات ضائع نہ ہوں اور مرید اس طریقے سے چلے کہ اللہ کرے کہ اپنی جان، صحت، عمر اور وسائل سے دنیا و آخرت کا بہتر سے بہتر فائدہ حاصل کر کے رخصت ہو:

فرمایا کہ ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب ہیں، کچھ دن انھوں نے لا الٰہ الا اللہ کا جہری ذکر کیا تو ان کو کشف شروع ہوگیا۔ کسی نے ان کے حالات بتائے تو میں نے اسے کہا کہ جب خود آکر بیان کرے

گا تو اس کے بارے میں کچھ سوچیں گے۔ اس نے جو آ کر حالات بیان کئے تو مجھے اندازہ ہوا کہ اگر دس پندرہ دن اور جہری ذکر کیا تو آدمی Psychiatric یعنی دماغی مریض ہونے والا ہے۔ پھر دماغی ہسپتال میں داخل ہوگا لہٰذا میں نے اسے کہا کہ برخوردار: آپ جہری ذکر بند کردیں۔ جہری ذکر میں چونکہ مزہ بھی آتا ہے تو ڈاکٹر صاحب سوچ میں پڑ گیا کہ ہمارا ذکر کیوں بند کر رہا ہے۔ خیر جب ذکر بند کیا تو وہ چیز زائل ہوگئی۔ اس نے بتایا کہ میں بیٹھا ہوتا ہوں کہ مجھے Message یعنی پیغام آجاتا ہے۔ میں نے کہا اس صورتحال کو دماغی امراض والے Broadcasting کہتے ہیں۔ ایسے مریض سے جب ہسٹری لیتے ہیں تو براڈ کاسٹنگ کو Positive لکھتے ہیں۔ یعنی اس نے پیغام کو Transmit اور Receive کرنا شروع کردیا ہے۔ اس سے اگلا درجہ مکمل تکلیف میں مبتلا ہونے کا ہوتا ہے۔ خیر وہ مان گئے۔ ابھی تک اس کو جہری ذکر شروع کرنے نہیں دیا ہے۔ ہمارے حضرات کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ذرا سا سر جھکائیں اور ضرب لگائیں تو باطن کا دروازہ کھلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر کشف کا دروازہ کھل رہا ہو تو آدمی کو جانچنا یعنی Assess کرنا ہوتا ہے کہ آیا اس کا پاگل پن کا دروازہ تو نہیں کھلنے والا، کیونکہ یہ ہمارے ذمّے ہوتا ہے کہ اس کو ایسے چلایا جائے کہ اس کے دنیا و آخرت کے مفادات ضائع نہ ہوں اور آدمی اس طریقے سے چلے کہ اللہ کرے کہ اپنی جان، صحت، عمر اور وسائل سے دنیا و آخرت کا بہتر سے بہتر فائدہ حاصل کر کے رخصت ہو۔ تو یہ ایک دن کی بات نہیں ہے، اور محض ذکر سے دل کا اچھل جانا اور رونے کی کیفیت طاری ہو جانا نہیں ہے بلکہ اصل تصوف تو فہم ہے جس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ دین پر عمل کرنے کی ایسی ترتیب نصیب فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی صحت، جان، علم اور وسائل سب چیزوں سے دنیا میں ایسا استعمال ہو جائے کہ یہاں سے آخرت کا بہتر سے بہتر فائدہ لے کر جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا''۔ آدمی محنت مشقت تو بہت زیادہ کرے، اپنے آپ کو تھکائے لیکن آخرت کے لحاظ سے کچھ حاصل کر کے نہ جا رہا ہو۔ مزدور کی تو سارا دن پتھروں کو توڑ توڑ کر شامت ہو جاتی ہے لیکن رات کو ۴۰۰ روپے گھر لے کر جاتا ہے جبکہ ٹھیکیدار آدھے گھنٹے کے لئے آتا ہے، دس باتیں سنتا ہے دس باتیں بتاتا ہے اور شام کو دس ہزار روپے جیب میں ڈالتا ہے کیونکہ وہ بہترین Planning اور بہترین

منصوبہ بندی کو لئے ہوئے ہے۔مزدور تو جان کھپا کر، پسینہ نکال کر ۴۰۰ روپے لے کر جاتا ہے جبکہ ٹھیکیدار دس باتیں کر کے آدھے گھنٹے میں دس ہزار لے کر جاتا ہے کیونکہ اس نے اپنے علم، وسائل، سوچ سمجھ سب کو ایک منصوبہ بندی کی ترتیب پر استعمال کیا ہے۔

اللہ چاہے تو صرف پھونک مارنے سے شفاء کر دے چاہے تو صحیح تشخیص کی طرف ہدایت کر دے:

فرمایا کہ ڈاکٹروں کی خاطر یہ بات کہہ دوں کہ مختلف بیماریوں کے لئے جو سات دفعہ سورۃ فاتحہ دَم کرتے ہیں اس سے اللہ شفاء دے دیتا ہے۔کئی بار میں نے محسوس کیا کہ سات دفعہ سورۃ فاتحہ دَم کرنے کے بعد جو نسخہ ذہن میں آجائے ایسا اثر کرتا ہے جیسے نشانے پر گولی۔بعض اوقات خود کو حیرت ہوتی ہے کہ کیسے ہوا۔ بڑی بڑی جگہوں سے نہ ہو سکا یہاں سے کیسے ہو گیا۔لیکن ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے، ہمارا کون سا پیشہ ہے کہ اس کے لئے آپ ہمارے پاس آئیں۔اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر میں نے سوچا تو صحیح تشخیص بھی تو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ہے۔واقعی اللہ چاہے تو صرف پھونک مارنے سے شفاء کر دے چاہے تو صحیح تشخیص کی طرف ہدایت کر دے۔

بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک نسخہ میں نے لکھا تو وہ شمالی ہزارہ میں بہت چلا یہاں تک کہ دکاندار کہتا کہ اب کوئی بھی آتا ہے تو اس کو میں خود ہی دے دیتا ہوں۔میں نے عرض کیا کہ دراصل یہ لوگ اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں اور تبلیغ میں قربانیاں کرتے ہیں تو یہ اس کی وجہ سے شفا ہوئی ہے۔ایک آدمی سودی کاروبار کر کے آیا ہوا گر وہاں چلانا چاہیں تو اس کا اثر نہیں ہوگا۔یہ تو اس برکت سے ہوا ہے اور جب تک اللہ نے چلانا چاہا چلے گا۔تو کچھ عرصے بعد وہ اس نسخے کو بھول ہی گیا۔میں نے کہا بس وہ برکت جو تھی وہ ختم ہو گئی۔

رگڑا رگڑی کے بعد اللہ معرفت کا دروازہ کھولتا ہے:

فرمایا کہ امام غزالیؒ اس پائے کے عالم گزرے ہیں کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس تھے اور یہ بات ان کو ۳۵ سال کی عمر میں حاصل ہوئی، جبکہ بوڑھے بوڑھے ۷۰/۷۰ سال کے علماء اس

حسرت میں تھے کہ کاش انھیں مدرسہ نظامیہ کی کرسئ صدارت مل جائے۔ کہتے ہیں کہ بعض اوقات تو خود بادشاہ گھوڑے کی لگام پکڑ کر ان کو جمعے کے خطبے کے لئے لاتا تھا۔ ان کے دوسرے بھائی احمد غزالی تھے۔ یہ اللہ والے آدمی تھے، ان کو سمجھاتے رہتے تھے کہ دیکھو یہ سارا کروفر اور یہ سارا شاہی دربار اور یہ چیزیں عارضی اور ختم ہونے والی ہیں، یہ کسی کام کی نہیں ہیں۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ ہر روز میں صبح اٹھتا اور یہ ارادہ کرتا کہ میں سب چیزوں کو ترک کر دوں گا لیکن پھر دربار میں جاتا اور ساری چیزیں سامنے آتیں تو رہ جاتا۔ کرتے کرتے عرصہ گزر گیا میں بیمار ہو گیا۔ حکیم کوشش کر رہے تھے، نہ کوئی تشخیص ہو رہی تھی نہ علاج ہو رہا تھا۔ حکیموں کو تو پتا نہیں تھا مگر مجھے پتا تھا کہ مجھے کوئی بیماری نہیں تھی بلکہ وہ تو وہ غم اور خوف تھا جو علم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہو رہا تھا اور جو شاہی دربار کے ماحول کی وجہ سے علم ضائع ہو رہا تھا اس کی وجہ سے تھا، کوئی بیماری نہیں تھی۔ روزانہ صبح سوچتا کہ چھوڑ دوں گا۔ اس طرح کرتے کرتے ایک دن میری زبان خود ہی بند ہو گئی۔ جس زبان سے شاہی دربار چلایا جاتا تھا وہی بند ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ مجھے اندازہ ہوا کہ اب منجانبِ اللہ اس کا امر ہو گیا ہے کہ میں چلا جاؤں۔ آخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکلا اپنی اصلاح اور مجاہدات کرنے کے لئے۔ اس کے لئے ضروری بات یہ تھی کہ کوئی ایسی جگہ ہو جہاں کوئی پہچانتا ہی نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ میں نکلا، ایک مسجد میں رات آئی۔ مسجد میں استاذ شاگرد کو کتاب پڑھا رہا تھا۔ استاذ بھی بہت قابل شاگرد بھی بہت ذہین۔ شاگرد اعتراض کرتا استاذ جواب دیتا۔ بڑی بحث ہوئی لیکن بات ان کی ختم نہیں ہو رہی تھی، شاگرد مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ آخر استاذ نے کہا کہ برخوردار! میں آپ کو امام غزالی کا قول سنا رہا ہوں، اس پر شاگرد نے مان لیا۔ میں ایک کونے میں مسافر کی شکل میں بیٹھا ہوا سن رہا تھا۔ کہتے ہیں میں نے سوچا کہ یہ جگہ بھی ٹھہرنے کی نہیں ہے کیونکہ یہاں بھی لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ وہاں سے چلے، دمشق میں جا کر ایک مسجد کے حجرے میں ٹھہرے۔ وہاں پھر جم کر اللہ اللہ کیا اور کرتے کرتے سارے علوم، کیا فلسفہ، کیا منطق، کیا حدیث، کیا تفسیر، کیا فقہ، ساری چیزیں جوان کے پاس جمع تھیں، جب اس رگڑا رگڑی سے گزرے تو وہ مل کر ایک نئی چیز بنیں۔ اس کے بعد اللہ نے معرفت کا دروازہ کھولا۔ چنانچہ احیاء العلوم کو بغیر کتابوں کی موجودگی کے زبانی لکھا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر ۳ پر)

حدیثِ شفاعت کا مفہوم اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

(مولانا محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

برادر معظم جناب ڈاکٹر نسیم صاحب نے فون پر مسئلہ پوچھا کہ ایک صاحب عمرہ کرنے تشریف لے گئے، وہاں انھوں نے حدیث مبارکہ "شَفَاعَتِیْ لِأَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ" او کما قال پڑھی (کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی) اس پر وہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم ویسے ہی اپنے آپ کو تھکائیں اور اضطراب میں ڈالیں، پابندیاں برداشت کریں اور خصوصاً دین پر عمل کرنے کے لئے نفس کی خواہشات کو چھوڑ کر خود کو پریشان کریں، دنیا میں تو مزے لوٹنے چاہئیں، آخرت میں ویسے بھی ہماری شفاعت کا وعدہ ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کل لوگ صرف احادیث کا ترجمہ پڑھ کر مجتہد بن جاتے ہیں اور حدیث کا من چاہا مفہوم طے کر لیتے ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک اور گمراہ کن بات ہے۔ اگر حدیث کا فہم اتنا ہی آسان ہوتا تو حدیث کے لیے سینکڑوں علوم کی تدوین نہ ہوتی، بس ترجموں ہی سے سارا دین اخذ کرلیا جاتا حالانکہ حدیث کی صرف ایک قسم حدیثِ ضعیف سے متعلق علوم کی تعداد ۵۲ (باون) ہے۔ پھر ان میں ہر علم کی مستقل تفصیلات و ابواب ہیں اور ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، صرف علم رجال (ان حضرات کے حالات جنھوں نے احادیث بیان کیں) کی تدوین کے لیے محدثین نے تقریباً پانچ لاکھ افراد کے حالات چھانٹ چھانٹ کر پوری تحقیق سے بیان کیے ہیں، پھر ان میں کون سا راوی معتبر ہے، کون سا ضعیف ہے، کون سا حدیث گھڑنے والا ہے، اس کا فیصلہ کرنے کے لیے مستقل علم "جرح و تعدیل" مدون کیا ہے اور اس علم کی تفصیلات ہزاروں جلدوں میں لکھی ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی بازیچۂ اطفال (بچوں کا کھیل) نہیں کہ علوم حدیث تو کجا عربی عبارت تک کو براہ راست سمجھنے سے قاصر آدمی ترجمہ پڑھ کر حدیث کا مفہوم طے کرنے بیٹھ جائے۔ اس لیے ہمارے اکابر محض ترجمہ، چاہے بخاری شریف کا ہی

کیوں نہ ہو، پڑھنے سے روکتے تھے اور جب تک حدیث کی تشریح کسی معتبر عالم دین کی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو اس پر از خود رائے زنی سے سختی سے منع کرتے تھے۔ ہمارے سلسلہ میں معارف الحدیث کو مطالعہ کے لیے اس واسطے تجویز کیا جاتا ہے کہ اس کی تشریح بہت بڑی علمی شخصیت حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اسی طرح فضائلِ اعمال کی تعلیم میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کی پابندی بھی اسی وجہ سے کی جاتی ہے۔

اب جن صاحب نے حدیث طیبہ کا مفہوم از خود طے کر کے یہ سمجھ لیا کہ وہ سارے اعمالِ خیر سے فارغ ہیں اور جو نفسانی تقاضہ پورا کرنا چاہیں انہیں آخرت میں یقینی شفاعت کے باعث کوئی ڈر نہیں، تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ کسی آیت یا حدیث کی کبھی ایسی تشریح نہیں ہوا کرتی جس سے دیگر آیات واحادیث کا رد ہو۔ اب جن آیات واحادیث میں جہنم کی وعیدیں سنائی گئی ہیں، اعمالِ خیر کا شوق دلایا گیا ہے، برے اعمال سے روکا گیا ہے، آخر ان کا فائدہ ہی کیا ہوا، جب ان پر عمل کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ ہو؟ کیونکہ شفاعت کے یقینی علم کے بعد ان کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب بندے کو پہلے سے ہی علم ہے کہ میری شفاعت ہونی ہے تو وہ ان آیات واحادیث کے مقتضا پر کیونکر عمل کرے گا، جب ان کا معطل ہونا معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا تو ان کو نازل کیوں فرمایا؟

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کی وہ تشریح نہیں جو سمجھی جا رہی ہے، حدیث مبارک کا درست مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نادانستہ گناہ کبیرہ کر بیٹھا، یا وہ دانستہ گناہ کبیرہ کا مرتکب تھا لیکن اسے گناہ سمجھتا تھا اور اسے توبہ کی مہلت نہ مل سکی، تو آخرت میں اس کی شفاعت کی امید ہے۔ پھر شفاعت کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر حال میں جہنم جانے سے پہلے ہی ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہنم جانے کے بعد شفاعت کے ذریعے وہاں سے نکالا جائے، جیسا کہ روایات میں اس کی تصریح آئی ہے، لہٰذا اس کی کیا ضمانت ہے کہ جہنم کی سزا چکھے بغیر ہی شفاعت ہو جائے گی، مؤمن کے واسطے تو جہنم کا لفظ ہی لرزا دینے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ اس کی سزا اور عذاب سے بے خوفی کا مظاہرہ کیا جائے۔

پھر یہ نکتہ اہمیت کے ساتھ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص اس نیت سے گناہ کبیرہ کر رہا ہے کہ مجھے کیا ڈر! میری تو شفاعت یقینی ہے، تو یاد رکھیں! ایسے اعلانیہ جرأت کا مظاہرہ کرنے والا جب حکم الٰہی کو توڑتا ہے تو ''مجاہر'' بن جاتا ہے، اور احادیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ ''مجاہر'' کی شفاعت نہیں ہوگی۔

كَمَا قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم: كُلُّ اُمَّتِی مُعَافًی اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ

(بخاری و مشکوٰۃ شریف)

اب خود ہی فیصلہ کر لیں کہ اس طرح کی گفتگو کر کے اور اس طرح کے خیالات رکھ کر آدمی صرف مرتکبِ کبیرہ رہتا ہے یا مجاہر بن کر شفاعت سے محروم ہو رہا ہوتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

اللہ پاک کی ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ تو انسان کا تعلق بندگی کا ہے اور اس سے بڑھ کر محبت کا ہے۔ مالک اور محبوب اگر اتنا کھلے دل والا ہو جو ہر کسی کو فوراً ہی معاف کرتا ہو تو اس مالک اور محبوب کی اس شرافت سے غلام اور اس سے محبت کرنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اس کی نافرمانی کا ذرا سا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔ گناہ تو اسے کہتے ہیں جو ناسمجھی میں، نادانی میں، گرد و پیش کے ناموافق حالات ہونے میں اچانک صادر ہو جائے، جس کے صادر ہوتے ہی ندامت و شرمندگی طاری ہو جائے اور آدمی فوراً معافی کی فکر میں لگ جائے۔ اور جو ایسا ہو کہ اتنے شریف، شفیق اور لحاظ دار مالک کا خیال نہ رکھے اور جان بوجھ کر جرأت کے ساتھ گناہ کرے تو اس سے بڑا بے غیرت کون ہوگا۔ ایسا بے غیرت اور بے حیاء شفاعت کی سہولت سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ اپنے ایسے شفیق، شریف اور لحاظ دار مالک پر اپنے نفس کے مزے اور اپنی ذات کے مفاد کو جو ترجیح دے اس کا تو مالک اور محبوب کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔

آج کل کی جدید تعلیم، جدید ماحول اور الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے ایسے بے وقوف اور بے تکے افراد پیدا کر لئے ہیں۔ ایسے بے وقوف، بے تکے اور بے احتیاط افراد ہی قوموں اور ملکوں کی تباہی کی بنیاد بنا کرتے ہیں۔ قوموں کی ترقی کی بنیاد سمجھدار محتاط اور پابند افراد ہوا کرتے ہیں۔

آداب تلاوتِ قرآن

(جناب گوہر رحمان نقشبندی فریدی صاحب ”فقیر باباجی“ ایڈووکیٹ)

قرآن عظیم الشان اللہ تبارک وتعالیٰ کے نازل کردہ صحیفوں اور سلسلۂ کتب کی آخری کتاب ہے جسے اللہ جل مجدہٗ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعہ قلبِ آقائے نامدار ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ بندگان خدا رشد وہدایت کی راہ سمجھ کر فلاح دارین پاسکیں۔اس کی حیثیت اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے کسی کتاب کو قرآن شریف سے کوئی نسبت نہیں۔جیسا کہ اللہ رب العٰلمین کا فرمان مبارک ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ

ترجمہ:اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبرائیلؑ) آپ ﷺ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے۔

(الشعرا:۱۹۳تا۱۹۵)

ایسا کون ہے جو عامل قرآن تو ہو مگر خالق کائنات نے اسے اپنے خصوصی انعامات سے نہ نوازا ہو؟ کون ہے ایسا بندہ جس کا مسیحا قرآن ہو،مگر وہ شفایاب نہ ہو؟ اور کونسا انسان ہے جس کا ہادی ورہبر قرآن ہو،مگر وہ صراطِ مستقیم پر گامزن نہ ہو؟ الغرض ہر وہ معاشرہ جس کے معاملات،گفت وشنیداور نشست وبرخاست میں دستورِ قرآن رائج ہو وہ امن وآشتی کا گہوارہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ

ترجمہ:بے شک جو (غور وتدبر سے) تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس سے جو ہم نے ان کو دیا ہے راز داری سے اور اعلانیہ،وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں۔(فاطر:۲۹)

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور کمال میں "لَا مِثْلَ لَهٗ وَ لَا مِثَالَ لَهٗ" ہے اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام بھی اپنے تمام تر فضائل اور کمالات و اوصاف میں بے مثال ہے۔ جیسا کہ رب کائنات کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام کلاموں پر ویسی فضیلت حاصل ہے جیسی خالق کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔

قرآن کریم کے فضائل ومحاسن بے حد وحساب ہیں جن کا احاطہ کرنا کسی انس وجن کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی یہ مقام ان کے بیان کرنے کا ہے۔ البتہ اس ایک ارشاد گرامی سے ایک باشعور انسان قرآن کریم کی عظمت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

ترجمہ: حضرت عثمانؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے خود قرآن پڑھا اور پھر دوسروں کو پڑھایا۔''

چونکہ تلاوت قرآن کا مقصد صرف دل بہلانا اور وقت گزاری نہیں بلکہ اس کا بغور مطالعہ کرنا انسان کو اپنے بلند تر مقصدِ زیست سے آگاہ کرنا ہے، اپنے قول وفعل میں یکسانیت اور سیرت وکردار میں نکھار پیدا کرنا ہے اور ظاہر وباطن میں للٰہیت اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی ایک لہر دوڑانا ہے، اس لئے اس سے حقیقی مقاصد حاصل کرنے کے لئے دوسری کتب کے برعکس اسے پڑھنے اور چھونے کے کچھ آداب ہیں، جنھیں ملحوظ خاطر رکھ کر پڑھنے سے دل کی ظلمتیں کافور ہوتی ہیں، خفیہ صلاحیتیں جلا پاتی ہیں اور انسان مقربِ بارگاہ الٰہی بنتا ہے۔ اگر ان آداب کا خیال نہ رکھا جائے تو پھر حقیقی مقاصد حاصل نہیں کئے جاسکتے بلکہ بعض صورتوں میں تو انسان بجائے مقرب بننے کے مجرم بن جاتا ہے۔ ان آداب میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱۔ چونکہ تلاوت قرآن مقدس کی مجلس ملائکہ عظام کی مجلس ہوتی ہے اس لئے تلاوت شروع کرنے سے پہلے عمدہ قسم کی خوشبو لگائیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’جب کوئی قوم مساجد میں سے کسی مسجد میں قرآن شریف کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں اس کا ورد کرتے ہیں تو ان پر راحت وسکون نازل ہوتا ہے۔ رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ ملائک رحمت انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ کریم اپنے پاس موجود نوری مخلوق میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔‘‘

۲۔ اگر قرآن کریم کی تلاوت اس سے دیکھ کر کی جائے تو پھر اسے ہاتھ لگانے کے لئے مکمل طور پر باطہارت اور باوضو ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ وضو کے بغیر قرآن کو چھو لینا قطعاً جائز نہیں۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ: ۷۹)

ترجمہ: پاک لوگوں کے سوا کوئی اسے مس نہ کرے۔

البتہ اگر قرآن کو چھوئے بغیر زبانی تلاوت کی جائے تو بلا وضو بھی جائز ہے۔

۳۔ تلاوت کی ابتداء تعوذ اور تسمیہ سے کرنی چاہیئے، کیونکہ رب کریم کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

ترجمہ: سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو، تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں) سے جو مردود ہے۔ (النحل: ۹۸)

چنانچہ ابتداء اس طرح کرے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَ اَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ

ترجمہ: میں شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لئے، ہر چیز سننے والے اور ہر شئے کا علم رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں، اے میرے رب! میں تیری قوت وعطا کے ساتھ شیاطین کی فساد انگیزی اور ان کے قرب سے بچنا چاہتا ہوں۔

بعد ازاں سورۃ الناس اور سورۃ فاتحہ ایک بار پڑھے۔

۴۔ تلاوت کے وقت وقار اور تمکنت کے ساتھ عاجزی وانکساری سے سر جھکائے قبلہ رو ہو کر بیٹھے یا

کھڑا ہو۔ اگر لیٹ کر تلاوت کی، تو بھی جائز ہے مگر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پڑھنا زیادہ موزوں اور بہتر ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: ۱۹۱)

ترجمہ: وہ عقلمند جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا، تو پاک ہے سب عیبوں سے، ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔

۵۔ تلاوت کی مقدار کے لحاظ سے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی پیش نظر رہے:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِیْ اَقَلَّ مِن ثَلٰثٍ لَمْ یُفَقِّھْهُ

ترجمہ: جس نے مکمل قرآن کریم تین سے کم دنوں میں پڑھا، اس نے اسے سمجھا نہیں۔

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ایک ہفتہ میں ایک ختم کیا کرو۔'' حضرت عثمان غنی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا۔

۶۔ قرآن کریم کو خوب ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے، جیسا کہ خالق کائنات نے فرمایا:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (المزمل: ۴)

ترجمہ: اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے قرآن کریم کو۔

اسی کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات میں تفکر و تدبر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ''اگر میں سورۃ بقرۃ اور آل عمران ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہوئے سمجھتا جاؤں، تو یہ میرے نزدیک تیزی کے ساتھ سارا قرآن پڑھنے کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔''

حضرت ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہؓ نے ایک شخص کو تیزی سے قرآن کریم پڑھتے سنا تو فرمایا:

اِنَّ ھٰذَا مَا قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَلَا سَکَتَ

ترجمہ: اس شخص نے قرآن بھی نہیں پڑھا اور چپ بھی نہیں رہا۔

۷۔ دوران تلاوت جہاں آیت سجدہ آجائے اگر فوراً ممکن ہو تو سجدہ کرے، بصورت دیگر بعد میں سجدہ تلاوت کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس میں جس قسم کا بیان اور تذکرہ ہو، سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد اسی کے مطابق دعا مانگے تاکہ قول و فعل میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔ مثلاً

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ

ترجمہ: تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور غرور و تکبر نہیں کرتے۔ (السجدہ:۱۵)

تو پھر دعا اس طرح کرنی چاہیئے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ السَّاجِدِیْنَ لِوَجْھِکَ وَالْمُسَبِّحِیْنَ بِحَمْدِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ عَنْ اَمْرِکَ اَوْ عَلٰی اَوْلِیٰئِکَ

ترجمہ: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر جو تیرے حضور میں جھکتے ہیں اور تیری حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں ان لوگوں سے ہو جاؤں جو تیرے حکم سے سرتابی کرتے ہیں یا تیرے اولیاء کے ساتھ تکبر سے پیش آتے ہیں۔

اور اگر آیت سجدہ یہ ہو:

وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا

ترجمہ: اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے۔ (بنی اسرائیل:۱۰۹)

تو پھر دست دعا اس طرح دراز کرنا چاہیئے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْبَاکِیْنَ اِلَیْکَ خَاشِعِیْنَ لَکَ

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جو تیری بارگاہ میں روتے اور عاجزی کرتے ہیں۔

۸۔ قرآن کریم خوبصورت انداز میں خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیئے جیسا کہ حدیث طیبہ میں ہے:

عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَیِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ

ترجمہ: قرآن کریم کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔ (رواہ احمد و ابو داؤد، مشکوٰۃ المصابیح: ص:۱۹۱)

اسی طرح ایک اور ارشاد گرامی ہے:

لَیسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ

ترجمہ: جو قرآن کریم خوش الحانی سے نہیں پڑھتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس لئے جہاں تک ممکن ہو تصنع، بناوٹ اور تکلف کے بغیر حسین انداز میں قرآن کریم پڑھنا چاہئے۔

۹۔ قرآن کریم انتہائی دردوسوز، عاجزی انکساری اور اپنے اوپر حزن وخوف کی کیفیت طاری کرتے ہوئے پڑھنا چاہیے۔ بلکہ رب کریم کے رعب وجلال اور ہیبت و جبروت کے باعث آنکھوں سے آنسو بہانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

اُتْلُوْا الْقُرْاٰنَ وَابْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا

قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے آنسو بہاؤ اور اگر رونہ سکو تو رونے والی صورت بنالو۔

اسی گریہ وزاری کے سبب ہی رحمت خداوندی کو اپنی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے۔

۹۔ جو آیت پڑھے اس کا حق ادا کرے یعنی آیت تسبیح وتکبیر پڑھے تو خود بھی سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہے، اگر دعا واستغفار کی آیت تلاوت کرے تو اپنے لئے بھی دعا مانگے اور مغفرت طلب کرے۔ اگر کسی آیت میں انعامات الٰہیہ کا ذکر ہو تو ان کے لئے دست سوال دراز کرے۔ اگر کہیں عتاب ومصیبت کا تذکرہ آئے تو اپنے لئے پناہ طلب کرے۔ یعنی جس مضمون کی آیت پڑھے اسی قسم کے تأثر کا اظہار کرے۔

رموزِ اوقاف: یہاں ایک اور بات کی وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اکثر لوگ اس کے متعلق نہیں جانتے اور جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے اِلَّا مَاشَاءَ اللہ۔

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے مختلف قرآنی جملوں پر جگہ جگہ ایسے اشارے لکھے گئے ہوتے ہیں جن سے معلوم ہوسکے کہ اس جگہ سانس لینا ہے۔ ان اشاروں کو ''رموز اوقاف'' کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت صحیح مقام پر توقف کرسکے اور غلط مقام پر سانس توڑنے سے معنی

میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ان رموز کی تفصیل درج ذیل ہے:

ط: یہ "وقف مطلق" کا مخفف ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے اس لئے یہاں وقف کرنا یعنی ٹھہرنا بہتر ہے۔

ج: یہ "وقف جائز" کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز: یہ "وقف مجوز" کا مخفف ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہاں وقف کرنا درست تو ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص: یہ "وقف مرخص" کا مخفف ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی لیکن چونکہ جملہ طویل ہوگیا ہے اسلئے سانس لینے کیلئے دوسرے مقامات کی بجائے یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

م: یہ "وقف لازم" کا مخفف ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، اس لئے یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔بعض حضرات اس کو "وقف واجب" بھی کہتے ہیں لیکن اس کا مطلب وہ واجب نہیں جس کے ترک کرنے سے گناہ لازم آتا ہو۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ یہاں پر وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لا: یہ "لَا تَقِف" کا مخفف ہے، جس کا مطلب ہے کہ "یہاں نہ ٹھہرو"۔لیکن اس کا منشاء یہ نہیں کہ یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتدا کرنا بھی جائز ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، یعنی اس مقام سے اگلے لفظ سے ابتدا کرنا مستحسن نہیں۔

مع: یہ "معانقہ" کا مخفف ہے۔یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہوں۔ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ۔لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جاسکتا ہے لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کرنا درست نہیں۔

سکتہ: یہ "سکتہ" کی علامت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے۔یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔ (باقی صفحہ آخر پر)

اصل چیز اصلاحِ نفس ھے

(انتخاب: قاضی فضل واحد صاحب)

ارشادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

فرمایا: میں کہا کرتا ہوں کہ محض لکھنے پڑھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ کسی کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ آدمی جاہل رہے مگر اس میں تدین (دینداری) ہو وہ جاہل اس بددین عالم سے اچھا ہے جس میں دینداری نہ ہو۔ اور ایسے اَن پڑھ ہونے اور حساب وکتاب نہ جاننے پر حضور ﷺ نے فخر کیا ہے۔ بعض صحابی تو ایسے ہوئے ہیں کہ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایک سو (۱۰۰) کتنے ہوتے ہیں مگر پھر ان میں کیا بات تھی جس کی وجہ سے ان کو فضیلت حاصل تھی۔ صحابہؓ کی حالت تو یہ تھی، مگر درجات کی یہ حالت ہے کہ نہ اویس قرنیؒ ان کے برابر نہ عمر بن عبدالعزیزؒ، نہ بایزیدؒ نہ جنیدؒ۔ بات صرف یہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ اور اس صحبت سے ان کا دین وایمان خالص اور کامل ہو گیا تھا۔ پس اصل چیز یہ ہے۔ اور اگر آدمی پڑھا ہوا ہو مگر اس دولت سے محروم یعنی کسی اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی نہ کی ہوں تو ایسا شخص بڑے خسارہ میں ہے۔

صحبت صالح کی ضرورت اور فوائد

فرمایا: بزرگوں سے تعلق بڑی نعمت ہے لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ مجھ کو تو اس لئے بھی اس کی خاص قدر ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعا کے اور کچھ ہے نہیں۔ نہ علم ہے نہ عمل ہے۔ اگر ہے تو یہی ایک چیز ہے۔

فرمایا: آج کل پڑھنے پڑھانے والوں کی اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں۔ بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم بہت کچھ ہو گئے۔

فرمایا: یاد رکھئے جو عالم مدرسہ سے فارغ ہو کر خانقاہ نہ جائے (یعنی اپنی اصلاح نہ کرائے) وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کر کے اسی پر قناعت کرے اور نماز نہ پڑھے۔ محض پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہے۔

فرمایا: ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا کہ درس اور کتابی اعتبار سے پورا عالم ہو اور صحبت یافتہ نہ ہو، اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو، اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں یعنی کتابی اور درسی علم حاصل نہیں لیکن صحبت حاصل ہو جانے کی برکت اور فیض سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ پس نرا علم شیطان اور بلعم باعورا کا سا علم ہے۔

محض ورق گردانی سے کچھ نہیں ہوتا:

فرمایا: صحبت میں رہ کر دین آتا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا۔ ضابطہ کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بغیر کسی کی جوتیاں سیدھے کئے بلکہ بلا جوتیاں کھائے نہیں آتا۔

دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا، دین انہیں نخروں سے آتا ہے۔ اب جس کا جی چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے۔ اکبر ایک اچھے شاعر تھے، ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے۔ ان کا ایک مصرعہ ہے

؎ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

فرمایا: خودرو درخت ٹھیک نہیں ہوتا۔ ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ ہوتا ہے جب تک کہ باغباں اسے درست نہ کرے، کانٹ چھانٹ نہ کرے، قلم نہ لگائے۔ ایسے ہی وہ شخص جو شیخ کی خدمت میں نہ رہے، اصلاح نہ کرائے، محض کتابوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھ بیٹھے اس کی مثال بعینہٖ خودرو درخت کی سی ہے، جب تک اسے شیخ مصلح درست نہ کرے اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوتا بلکہ بددین، بدعقائد اور بداخلاق ہو جاتا ہے۔

صحبتِ صالح کے بغیر رنگ نہیں جمتا

فرمایا: صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی کہ اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا۔ اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اور ضرورت اسی کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو۔ اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو نہ ظاہری نماز کام کی نہ روزہ۔ بس وہ حالت ہے کہ طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔ جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو تو حافظ قرآن و عالم بھی ہوگا تب بھی آٹے دال ہی کا بھاؤ دل میں لے کر مرے گا۔ جیسا کہ اس وقت اکثر حالات ہیں کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔

نفس وشیطان اور مادیت پرستی سے معرکہ آرائی

(قسط:۱)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے افادات کی روشنی میں

(مولانا محمد طفیل صاحب، ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے صرف ''پیغام'' پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ''پیغام'' لانے والے کو اس کی ''تبیّن وتشریح'' اور عملاً برتنے کی ذمہ داری بھی سونپی، اس لیے انبیاء علیہم السلام کو زمین پر اللہ کا خلیفہ کہا جاتا ہے کہ وہ منشاءِ خداوندی تک رسائی کرانے میں خداوند کے نائب کا کام کرتے ہیں۔

انسانی معاشرے کی تشکیل کے لیے ''کتاب'' کے ساتھ ''رسول'' بھیجنے کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منشاءِ خداوندی کے مطابق انسان کی کامل تربیت صرف شرائع کے الفاظ ومعانی سے ممکن نہ تھی، بلکہ اس کے لیے ان کیفیات واحوال کی تعلیم اور انتقال بھی ضروری تھا جو ذاتِ نبوت میں من جانب اللہ بدرجہ اتم ودیعت کر کے رکھی جاتی تھیں۔ ان کیفیات واحوال کا انتقال فرائض نبوت میں سے ایک اہم فریضہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں ''ویزکیھم'' کے الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کیفیات کو ''نسبتِ ولایت'' بھی کہا جا سکتا ہے، جب کہ قرآن وسنت کی اصطلاح میں اسے ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دراصل یہی کیفیات انسان کو الفاظ ومعانی کی حقیقت سے آشنا کراتی ہیں۔

اسے صوفیا نے اس عنوان سے بھی بیان کیا ہے کہ الفاظ ومعانی تو ظاہرِ شریعت ہے، جب اس پر عمل کی دولت نصیب ہوتی ہے تو یہ طریقت بن جاتے ہیں اور جب اس عمل میں تعلق مع اللہ اور ذاتِ حق کے انوارِ حسن کے مشاہدہ سے ''احسان'' کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ حقیقت بن جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں ''احسان'' فرد کی اس خاص کیفیت کو کہا گیا ہے کہ وہ زندگی کے جملہ معاملات

میں عبودیت اور بندگی کے تقاضے اس طرح پورے کرے گویا وہ ذاتِ حق کے انوارِ حسن کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اس کا یہ دھیان ایسا پختہ ہو جائے کہ کسی لمحہ اس کا ذہول (ذہن سے نکلنا) نہ ہو۔ صوفیا اسے ''نسبت یادداشت'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام جن ہستیوں کو اپنی تربیت کے نتیجے میں تیار کرتے تھے وہ ان تمام مراحل سے بدرجہ کمال گزرے ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا پیغام علمی سے زیادہ عملی ہوتا ہے۔ وہ ایک کامیاب معاشرے کی تشکیل کے لیے عام فلاسفہ کی طرح محض نظریات پیش نہیں کرتے، بلکہ جو کہتے ہیں اسے برتتے ہیں اور اس کے نتیجے میں سو فیصد کامیاب نتائج حاصل کر کے کھلے بندوں اس کا مشاہدہ کرواتے ہیں۔ وگرنہ افلاطون سے لے کر فرائڈ اور نیطشے تک محض نظریات پیش کرنے والے تو تاریخ میں ہزاروں ہیں۔ اسی طرح نظریات کے بل بوتے پر ناکام نظاموں کا نقشہ پیش کرنے والے بھی کارل مارکس کی طرح کئی ایک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض علم ونظریہ (Theory) یا نظریہ کی تطبیق کے لیے عملی کاوش (Practical) اسلام کی نظر میں کافی نہیں بلکہ اسلام اس عمل (Practice) کو ایک خاص روحانی نظام اور ترتیب سے گزار کر منشاءِ خداوندی کے مطابق ڈھالنے کے بعد ''قبولیت'' کا اہل سمجھتا ہے۔ یہی نظام اور ترتیب ''تصوف'' کے عنوان سے معنون ہے۔ گو اس نظام کے لیے تصوف کا لفظ اہل عرف کی اصطلاح ہے لیکن قرآن کریم یا احادیث مبارکہ میں جو کچھ احسان، محسنین، تزکیہ یا تقویٰ ومتقین کے بارے میں بیان ہوا ہے وہ سب اسی کی تفصیلات ہیں۔

تصوف کا دائرہ کار سورۃ عصر کی روشنی میں

آج کل ایک مغالطہ یہ عام ہوا ہے کہ تصوف کی محنت کا دائرہ محض ''اخلاقیات'' کی اصلاح کو قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ تصوف وسلوک یا احسان وتزکیہ کی محنت پورے دین کو حاوی ہے۔ اسے سورۃ العصر سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس سورۃ کا موضوع ہی انسان کو خسارے سے نکالنے اور فلاح وفوز کی راہ پر چلانے کا نصاب ذکر کرنا ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر خداوند قدوس انسانوں کی رہنمائی کے لیے اس سورۃ کے سوا کچھ بھی نازل نہ فرماتے تب بھی یہ

سورۃ انسانیت کی اصلاح کے لیے کافی ہو جاتی۔

سورۃ عصر میں اصلاح فرد و معاشرت کے نصاب کے دو اجزاء مذکور ہیں: پہلا جزء ''ایمان کامل اور عمل صالح'' اصلاح فرد سے متعلق ہے، جبکہ دوسرا جزء ''تواصی بالحق اور تواصی بالصبر'' معاشرت وریاست کی اصلاح سے متعلق ہے۔ درحقیقت فرد، سماج اور ریاست ان تین اداروں کی کامل اصلاح ہی تمام دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں کے لیے نصب العینی حیثیت کی حامل ہونی چاہیے۔ اس میں اصلاحِ فرد اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے، جبکہ باقی دو اس کے ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ عصر کے آغاز میں ''عصر'' یعنی زمانے کی قسم کھائی ہے۔ علمائے مفسرین کے ہاں مسلم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو وہ بڑی مہتم بالشان ہوتی ہے، مخاطبین کو اس کی شان کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ اس پر غور کریں اور اس سے اپنے لیے بصیرت و عبرت کا سامان حاصل کریں۔ اسی طرح بعد والے مضمون کو علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھنے میں اس قسم کا بنیادی کردار اور دخل ہوتا ہے۔ زمانے کی قسم کھانے میں بھی اس نکتہ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ آگے انسانیت کے خسارے کا اعلان کیا جا رہا ہے، اور زمانے کے نشیب وفراز و تاریخ انسانی پر غور کرنے والے پر یہ بات چنداں مخفی نہیں رہ سکتی کہ گزشتہ قوموں میں فلاح پانے والوں کا کردار کن اصولوں پر استوار تھا اور خسارہ کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہونے والی قوموں کے ادبار و زوال کا سبب کیا تھا۔ تمام تر مادی شوکت و شکوہ کے باوجود نمرود و فرعون اور ہامان و قارون خائب و خاسر رہے۔ قوم عاد و ثمود اور اصحاب مدین باوجود متمدن قومیں ہونے کے تباہ و برباد ہوئیں، جب کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب فقر و فاقہ میں رہنے اور حسی تمدن سے ناآشنائی کے باوجود کامیاب ٹھہرے، اصحاب کہف پوری مادی دنیا میں تنہا رہ کر بھی تا قیامت امر ہو گئے، عیسیٰ علیہ السلام مادی کسمپرسی اور حواریّین کی کمزوری وضعف کے باوجود مفلحین کے سرتاجوں میں رہے۔ جب کہ ان کے مقابل تاریخ کے کوڑا دانوں میں بھی جگہ نہ پا سکے۔ عتبہ و شیبہ اور ابوجہل و ابولہب مکہ کی سرداری اور مادی و حسی طاقت کے باوجود چند درجن مسلمانوں اور کمزور غلاموں کے منہ کا بول تک نہ بدل سکے۔ جب کہ حبشہ کا بلالؓ بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان

دینے والا بنا اور اس کے فرشِ زمین پر قدموں کی آہٹ عرش الٰہی کے پاس سنائی دی۔ اس ساری تاریخ سے فلاح وخسران کے پیمانے ہر سلیم العقل پر خود ہی واضح وآشکارا ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس پر عیاں ہو جاتا ہے کہ کامل دنیوی واخروی کامیابی بغیر اطاعتِ خداوندی کی اس ترتیب کے ممکن نہیں جو آگے بیان ہو رہی ہے۔

اس نصاب میں اصلاح فرد کے لیے پہلی چیز کامل ایمان کا حصول ذکر کیا گیا ہے۔ ایمان کے تین پہلو ہیں: تعلیمی، تعمیلی اور تکمیلی۔ تعلیمی پہلو تو واضح ہے کہ ایمانیات کے مسائل سے پوری آگاہی ہو، اور تعمیلی پہلو یہ ہے کہ ان کی دل سے تصدیق کی جائے، اسی سے بنیادی ایمان مکمل ہو جاتا ہے، لیکن ایمان کو درجۂ یقین تک پہنچانے اور کامل واکمل حیثیت دلانے کے ضروری ہے کہ اجزائے ایمانی دیانت، امانت، صداقت، غیرت، شجاعت، حیاء وعفت کو برتا جائے اور یہ برتنا تبھی ممکن ہے جب ایمانی احوال وکیفیات اچھی طرح حاصل ہوں۔ یہی آخری تکمیلی پہلو تزکیہ کا اولین موضوع ہے کہ سالک کے ایمان کو درست کرکے اسے اس کیفیت سے بہرہ ور کیا جائے جہاں ایمان حال بن جائے اور پھر منشاءِ خداوندی کی تعمیل کے سامنے بڑے سے بڑا مفاد اور بڑی سے بڑی قوت وطاقت رائی کے ذرے کی قیمت بھی نہ رکھے۔ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کو رازق جانتا بھی ہے اور مانتا بھی ہے لیکن اسی رزق کے حصول کے لیے جھوٹی قسمیں کھانے، ملاوٹ کرنے، رشوت لینے اور دھوکہ دینے سے نہیں کتراتا تو اسے اللہ کی رزاقیت پر ایمان کا تکمیلی پہلو حاصل نہیں کیونکہ یہ تقاضا ایمان کو برتنے میں ناکام رہا۔

(جاری ہے)

(صفحہ ۲۹ سے آگے) معمولات بدستور جاری ہیں ناغہ بھی ہو جاتا ہے کیونکہ کبھی کبھار مشغولیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ فجر تا اشراق اذکار اور ایک پارہ تلاوت مع مناجات مقبول کی منزل اور قصیدہ بردہ شریف پڑھتا ہوں۔ مغرب کی نماز کے بعد مراقبہ جو آپ نے تجویز کیا تھا اور اس کے ساتھ نقش پڑھتا ہوں اور حزب البحر پڑھتا ہوں۔ باقی اوقات میں تیسرا کلمہ، درود شریف اور استغفار سو، سو مرتبہ صبح وشام مع درود تنجینا ستّر مرتبہ۔ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد گھر والوں اور بچوں کے ساتھ ''آسان ترجمہ قرآن'' کا درس۔

مجالس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(انتخاب: مولوی محمد بلال صاحب)

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا
کر دیجئے بس اب مجھے اپنے سے بے خبر صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

صبح کے وقت ایک مولوی صاحب کُرتا بہت نیچا اور اوپر سے صدری (واسکٹ) پہن کر گھڑی جیب میں ڈال کر واعظانہ سا عمامہ باندھ کر کہیں جا رہے تھے۔ حضرت والا رحمہ اللہ کی نظر ان پر پڑ گئی تو حکیم محمد مصطفیٰ صاحب سے فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ وضع مجھ کو پسند نہیں۔ طالبعلموں کی طرح رہنا چاہئے، صدری کرتے کے نیچے کر لیں اور اگر ضرورت نہیں تو بالکل نہ پہنیں۔ اب شام کو بعد مغرب یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے حضرت والا سے دردِزہ کے واسطے ایک تعویذ کی درخواست کی۔ حضرت والا نے ترحماً (رحم کرتے ہوئے) فوراً تعویذ لکھنے کے لئے ایک لڑکے سے قلمدان منگایا۔ وہ مولوی صاحب پنکھا جھل رہے تھے۔ اس وقت کسی قدر اندھیرا ہو گیا تھا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ چراغ لے آؤں، فرمایا نہیں، اور تعویذ لکھنا شروع کیا۔ بوجہ اندھیرا ہونے کے کسی قدر دِقت ہوئی۔ مولوی صاحب نے پھر عرض کیا چراغ لے آؤں۔ بس حضرت والا نے تعویذ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا:

''میں نے قصداً بلا روشنی کے لکھنا شروع کیا تھا کہ دیکھوں آپ کیا کرتے ہیں مگر آپ کو ایک دفعہ کہنے پر صبر نہ ہوا اور جو بات طبیعت میں ہے ظاہر ہو کر رہی۔ آپ کی طبیعت میں امارت ہے اور میری طبیعت میں امارت سے نفرت ہے۔ ابھی اتنا اندھیرا نہیں کہ لکھا نہ جا سکے، ذرا تکلف سے سہی۔ یہ امارت ہے کہ شام ہوئی اور لالٹین روشن ہوئی، اگر ذرا گرمی ہوئی پنکھا شروع ہوا۔ میں پاخانہ میں بھی روشنی ہر وقت نہیں لے جاتا ہوں حالانکہ وہاں ضرورت ہے۔ میں اس کو بھی امارتِ شان سمجھتا ہوں کہ پاخانہ کا وقت آیا، لالٹین رکھو اور پانی رکھو۔ خوب سمجھ لیجئے کہ بندہ وہ ہے جو بندوں کی طرح رہے اور ترفع

(تکبر) اور بناوٹ کیا چیز ہے سوائے اس کے کہ دھوکہ اور وہم وخیال ہے۔ بندہ جب تک زندہ ہو جب تک تو شان بنانی ہی نہیں چاہئے، کیا خبر کیا حالت ہونے والی ہے۔ ہاں جب دنیا سے ایمان صحیح وسالم لے کر نکل جاوے پھر اینٹھے (اکڑے) جتنا چاہے۔ بندے وہ تھے جیسے مولانا محمد قاسم صاحبؒ، کہ فرمایا کرتے تھے اگر چار حرف جاننے کی تہمت نہ ہوتی اور اس سے لوگ جان نہ گئے ہوتے تو ایسا گم ہوتا کہ کوئی یہ بھی نہ پہچانتا کہ قاسم بھی دنیا میں پیدا ہوا تھا۔''

پھر حضرت والا رحمہُ اللہ نے ان ہی مولوی صاحب سے فرمایا: ''آج میں نے تمھارا خط بھی دیکھا ہے جس میں آپ نے اپنے بھائی صاحب کو لکھا ہے کہ میرے نام ایک روپیہ کا منی آرڈر آنے سے میری ذلت ہوگی۔ جس وقت میری نظر اس خط پر پڑی سر سے پیر تک آگ ہو گیا، میں نے ضبط کیا کہ آپ اب سمجھ جاویں کہنے کی ضرورت نہ پڑے مگر اشارہ تو وہاں کافی جہاں عقل ہو اور جہاں عقل ہو ہی نہیں وہاں بے حیا ہی بننا پڑتا ہے۔'' مولوی صاحب نے عرض کیا میری اس میں ایک مصلحت تھی، وہ یہ کہ اس بہانے سے بھائی ایک سے زیادہ روپیہ بھیجیں گے۔ فرمایا:

''اگر یہ ہے تو یہ حرکت آپ کی اور زیادہ بیہودہ ہے۔ اس میں ترفع کے ساتھ خداعِ مسلم (مسلمان کو دھوکہ دینا) بھی شامل ہے اور مسلم کے افراد میں سے بھی بھائی کے ساتھ۔ سبحان اللہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ۔ مجھے اس پر طیش تھا کہ ترفع ہے، یہاں گناہ کے اندر گناہ گھسا ہوا ہے۔ ان باتوں کی طرف تو کسی کو خیال ہی نہیں رہا، عوام کو نہ خواص کو، بس یہ سمجھ لیا ہے کہ دین نام ہے بہت سی نفلیں پڑھنے کا یا کتابیں پڑھ لینے کا۔ واللہ دین اور ہی چیز ہے۔ آپ مجھے پنکھا نہ جھلا کریں اور نہ کسی قسم کی میری خدمت کیا کریں، آپ کی خدمت مجھے ناگوار ہوگی اور میں یہ بھی بتائے دیتا ہوں کی اس میں رمز کیا ہے۔ وہ رمز یہ ہے کہ جب آپ ہر وقت میری خدمت کیا کریں گے تو کوئی دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ آپ میرے مقرب ہیں، پھر اگر وہ آپ سے کوئی بری بات دیکھے گا یا کسی کو آپ سے تکلیف بھی پہنچے گی تو مجھ تک شکایت نہ لا سکے گا، یہ ایسی بات ہے کہ دن رات مشاہدہ میں ہے۔ جہاں اس کا خیال ہو وہاں لوگوں کو خوب موقع ملتا ہے ظلم کرنے کا۔ میں نے نیاز (ایک خادم) کو بھی منع کر رکھا ہے کہ کسی کا پیغام مجھے کبھی نہ

پہنچاؤ، جس کو کچھ کہنا ہو براہ راست کہے کیونکہ اس سے خیال ہوسکتا ہے کہ وہ منہ لگا ہوا ہے (یعنی میرے بہت قریب ہے)، پھر اس کی کوئی شکایت نہ کر سکے گا۔ نیز جب یہ معمول ہو جاوے گا کہ وہ واسطہ ہو جاوے گا تو ممکن ہے اس کی نیت بدلے اور لوگوں سے تحصیل وصول شروع کر دے، جیسا کہ بہت سے مشائخ کے یہاں دیکھا ہے کہ بلا خدام کا پیٹ بھرے کیا مجال ہے کہ کوئی پہنچ لے۔ اور چونکہ شیخ صاحب کی بدولت ان کو آمدنی ہے اس واسطے اور زیادہ رجوعات بڑھانے کی تدبیریں کرتے ہیں، آنے والوں کو شیخ صاحب کی کرامتیں (ایک صحیح اور دس غلط) سناتے ہیں، کچھ ڈراتے ہیں، کچھ امید دلاتے ہیں۔ خدا کا نام تو بے طہارت لے لیں مگر شیخ صاحب کا نام کبھی بلا وضو نہ لیں۔ شیخ صاحب کو اچھا خاصہ بت بنا رکھا ہے کہ ان کی پوجا ہو رہی ہے۔ یہ کیا ہے؟ سب ڈھونگ ہے۔ یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ بیچ والوں کو دخل دیا گیا ہے۔'' (ملفوظات حکیم الامت: ملفوظات کمالات اشرفیہ، جلد ۲۳، صفحہ ۲۵۶ تا ۲۵۸)

شانِ تربیت وتواضع

ایک مولوی صاحب (جو کہ حضرت والا رحمہ اللہ کے مجاز تھے) نے اپنے ملفوظات خود جمع کئے تھے اور ملفوظات کا آغاز اس لفظ سے تھا: ''فرمایا''۔ اس کی اطلاع حضرت کو ہوئی۔ وہ مولوی صاحب حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر تھے، حضرت والاؒ نے مولوی صاحب سے فرمایا: ''ہمارے سامنے سے اٹھ جاؤ اور ہمیں صورت مت دکھاؤ اور نہ کسی کو بیعت کرو۔'' پھر فرمایا کہ بڑائی تو وہ کرے جس کا کمال ذاتی ہو اور جب یہ نہیں تو بیجا ہی ہے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوح وقلم کے علوم بھی ہیچ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ہمارا عطیہ ہے، ہم چاہیں تو ابھی سلب کر لیں۔ ناز تو اس پر ہو جس کا کمال اپنے قبضے میں ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کریں تو ہمیں کیا حق ہے ناز کا۔ اسی طرح استحقاق ثمرات کے ادعا کی حالت ہے۔ جیسے فرض کیجئے آج ہی آم کا درخت لگایا اور کہنے لگے کہ پھل نہیں آیا، اس سے صاف دعویٰ استحقاق ٹپکتا ہے۔ صاحب! خدائے تعالیٰ سے نوکری کا معاملہ نہیں جو استحقاق اجرت کا ہو۔ غلامی کا تعلق ہے پھر دعوائے استحقاق کیسا۔ مثلاً اگر آقا اپنے غلام سے کہے کہ پانی پلاؤ، وہ کہے کہ کیا ملے گا وہ

غلام بڑا نالائق ہے۔ایک تکبر کی قسم یہ ہے کہ تواضع پر تکبر ہوتا ہے کہ ہم میں تکبر نہیں۔گُو کا کیڑا یہ سمجھے کہ میں گُو کا کیڑا ہوں یہ کونسی خوبی کی بات ہے۔میرے دوستوں نے فتاویٰ کا نام فتاویٰ اشرفیہ رکھ دیا تھا، اس سے بہت شرم معلوم ہوتی ہے۔آخر امداد الفتاویٰ کا نام بدلا۔پس اپنے ملفوظ اپنی رائے سے ضبط کرنا کیا معنی۔مرید کو چاہیئے کہ اپنے واردات کو شیخ کے سامنے پیش کرے جیسا اولاد کچھ کماوے وہ ماں باپ کے سامنے رکھ دے کہ یہ کمایا ہے۔ان افعال کی بدولت احوال سلب ہوجاتے ہیں۔پھر فرمایا کہ جس وقت آدمی اپنے کو اچھا لگنے لگتا ہے اس وقت خدا کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے۔اب ہر شخص سوچ لے کہ دن میں کتنی مرتبہ اس کی ایسی حالت ہوتی ہے۔ بعد عصر حضرت والا نے اعلان فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب سے کوئی بات چیت نہ کرے اور اگر کوئی کرے گا تو اس کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ کیا جائے گا۔پھر فرمایا کہ یہ میں نے کوئی نئی بات نہیں کی بلکہ عین سنت کے موافق کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔اگر میں پچاس دن تک کروں تو بھی کچھ حرج نہیں ہے۔پھر ان مولوی صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں معافی کی درخواست کی مگر چونکہ بے ڈھنگے طور سے معافی چاہی گئی تھی اس لئے اس پر حضرت نے یہ سزا تجویز فرمائی کہ بعد مغرب روزانہ اس مضمون کا اعلان کیجئے کہ صاحبو چونکہ میں فلاں قوم کا ہوں اس لئے کم حوصلگی کے سبب اپنے مربی کی عنایتوں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا جس کی وجہ سے سزا میں گرفتار ہوں لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ تکبر سے بہت پرہیز کریں۔پھر دو روز کے بعد حضرت والاؒ نے ان مولوی صاحب سے سب کو گفتگو کرنے کی اجازت دے دی کہ عنقریب اور معاملات بھی طے ہو جائیں گے۔(ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ ص ۲۳۸)

(ادارہ: تربیت کے لئے اس قسم کا رویہ حضرت نے اپنے مریدین کے ساتھ کیا۔ظاہری نظر میں تو لوگ اس کو سختی سمجھیں گے لیکن یہ انتہائی شفقت ہوتی تھی۔اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت کو ایسا مقام عطا فرمایا تھا کہ کیا علماء، کیا رؤساء، کیا افسران سب ہنسی خوشی ان باتوں کو سہتے تھے۔جو سہتے تھے وہ کندن (خالص سونا) بن جاتے تھے۔اس لئے ان کے پاس وہی آدمی رہ سکتا تھا جس نے اپنی اصلاح کے لئے کمر باندھ لی ہوتی تھی)

سعودی عرب سے ایک خط

(پروفیسر ڈاکٹر شاہد حبیب صاحب، کنگ سعود میڈیکل کالج ریاض، سعودی عرب)

محترم ومکرم سیدی ومولائی السلام علیکم!

ہم بخیریت ہیں اور امید ہے کہ آپ اور تمام ساتھی بخیریت و عافیت ہوں گے۔ کچھ احوال آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

نومبر کا غزالی موصول ہوا۔ بہت ہی اچھا لگا۔ ویسے تو ہر ماہ انتظار رہتا ہے، اس مرتبہ زیادہ انتظار تھا خاص طور پر ترکی کے سفر اور اس کے حالات بہت سبق آموز رہے۔ نومبر کے رسالے میں ام مولانا محمد یوسف کا مضمون رلا دینے والا ہے کہ اس دور میں بھی ایسے اولیاء اللہ موجود رہے ہیں جو صحابہ جیسی زندگی گزارتے تھے۔ ہماری مجلس کے ساتھی بھی غزالی پڑھتے ہیں۔ خاص طور پر مولانا انصار صاحب جو دیوبند سے فارغ التحصیل عالم ہیں اور جامعۃ الملک سعود، ریاض میں جہاں ہم رہتے ہیں، دینیات میں پی۔ایچ۔ڈی کر رہے ہیں، صاحبِ نسبت شخصیت ہیں، نقشبندیہ سلسلہ میں شیخ ذوالفقار صاحب سے بیعت ہیں اور ان کے خلیفہ بھی ہیں، ہماری مجلس کی رونق ہیں اور باقاعدگی سے آتے ہیں۔ ہماری رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ انھیں سب سے زیادہ غزالی کا انتظار رہتا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں اسے ایک ہی نشست میں پڑھتا ہوں کیونکہ جب شروع کرتا ہوں تو اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں کی ساری خوشیوں سے نوازے اور ان تمام ساتھیوں کو بھی جو اس کی اشاعت میں معاون ہیں اور تمام مصنفین کو بھی۔

خط بھیجنے میں تاخیر ہوئی اور آج دسمبر کا رسالہ بھی آ گیا جسے پڑھنا شروع کیا ہے۔ جنید جمشید کے حالات پڑھ کر بہت اچھا لگا کیونکہ آج کل لوگوں میں متفرق قسم کے خیالات پر تذکرہ ہو رہا ہے جس سے مجھے محسوس ہوا کہ کچھ لوگ غلو سے کام لے رہے ہیں جیسے ان کی قبر کی مٹی سے خوشبو آنا وغیرہ۔ الحمدللہ! میں اس مضمون کو تمام ساتھیوں کو بھیج دوں گا تاکہ ان کی بھی رہنمائی ہو۔ (باقی صفحہ نمبر ۲۴ پر)

رحمان باباؒ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

که نظر کا سوك په کار د درويشانو خـود بـه ووينـی وقار د درويشانو

دیکھے گا جو فقیروں کے لیل و نہار کو
سمجھے گا ذکر فکر کو ان کے وقار کو (طٰہٰ خان صاحب)

نظر سے تو اگر دیکھے ذرا یہ کارِ درویشان
تو تُو خود جان لے کہ کیا ہے پھر معیارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

پـه دغـه لاره بـه و رسـی د خدائے ته که سوك يون کاندی په لار د درويشانو

عرفان و آگہی ہے فقط معرفت کی راہ
جائے نبی کے بعد یہ پروردگار کو (طٰہٰ خان صاحب)

پہنچ جائے گا ٹھیک اس راستے سے خود وہ اللہ تک
چلے اُس پر کہ جس کو کہتے ہیں راہِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

هر گفتار به ئی د خدائے په در قبول وی چی قبول ئی وی گفتار د درويشانو

دربارِ حق میں ہر دعا اس کی قبول ہو
رکھے جو دل میں گفتۂ اہلِ کبار کو (طٰہٰ خان صاحب)

تمام اقوال ہیں مقبول دربارِ الٰہی میں
عمل میں لے لئے جس نے کہ ہیں گفتارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

هسـی گرم بازار بل په دنيا نشته لـکـه گـرم وی بـازار د درويشانو

کیا دیکھتے ہو گرمی بازارِ اہلِ حق
گرمی نہیں ملی یہ کسی کاروبار کو (طٰہٰ خان صاحب)

نہیں دیکھو گے اتنے گرم تم بازار دنیا میں
کہ جتنے گرم ہیں بازار یاں بازارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

پہ یوہ قدم تر عرش پوری رسی ما لیدلے دے رفتار د درویشانو

ارض و سما میں ایک قدم کا ہے فاصلہ
درویش مانتا نہیں قرب و جوار کو (طٰہٰ خان صاحب)

سفر عرش معلیٰ تک فقط ہے اک قدم ان کا
بس ایسی شان کی رفتار ہے رفتارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

هومره خلق ئی طواف کا پس له مرگه چی بازار وی په مزار د درویشانو

مرجع ہیں خاص و عام کا مرنے کے بعد بھی
بازارِ سائلاں کہو ان کے مزار کو (طٰہٰ خان صاحب)

ہزاروں لوگ مرنے بعد بھی آتے ہیں قدموں تک
کچھ ایسی شان سے آباد ہیں دربارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

بادشاهان د دی دنیا واڑه پراته دی لکه خاوری په دربار د د رویشانو

شاہانِ وقت کو وہی نسبت ملے یہاں
نسبت جو آستاں سے ہے گرد و غبار کو (طٰہٰ خان صاحب)

یہاں کے بادشاہوں کو ذرا دیکھو تو پاؤ گے
کہ ہیں یہ ایک اڑتی خاک بر دربارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

هر بهار لره خزاں په جهان شته دے خزاں نه لری بهار د د رویشانو

ہر موسمِ بہار پہ آئے خزاں مگر
بادِ خزاں یہاں نہیں لگتی بہار کو (طٰہٰ خان صاحب)

خزاں کی نذر ہو جاتی ہیں دنیا کی بہاریں سب
خزاں سے بچ سکی گر ہے تو ہے بہارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

ده جنت د باغ گلونه به تی هیر شی که سوك او وینی گلزار د درویشانو

دیکھے جو کوئی گلشنِ درویش کی بہار
وہ بھول جائے خلد کے نقش و نگار کو (طٰہٰ خان صاحب)

اسے جنت کے باغ و پھول سب ہی بھول جائیں گے
جو دیکھے گا ذرا گل، پھول اور گلزارِ درویشاں (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

چی دنیا ئی کڑه د خدائے دپاره ترکه صد رحمت شه په روزگار د د رویشانو

واصلِ حق ہوئے ہیں علائق کو چھوڑ کر
ہو عشق ان سے رحمتِ پروردگار کو (طٰہٰ خان صاحب)

خدا کے نام پر جب ترک کر دی دولتِ دنیا
ہزاروں رحمتوں کے اہل ہیں دربارِ درویشاں (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

د قارون وحال ته گوره حال ئی سه شه راشه مه کوه انکار ده درویشانو

قارون کو بہ نسبتِ درویش دیکھئے
کیا کچھ ملا ہے دولتِ دنیا کے یار کو (طٰہٰ خان صاحب)

ذرا قارون کے احوال کو دیکھو کہ کیا پایا
کیا تھا اس نے نا سمجھی سے بس انکارِ درویشاں (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

پـه هر چا چی د غضب لینده کا غرقه خـطـا نـه درومی گزار د درویشانو

لگتی ہے ٹھیک اپنے ہدف پر نگاہِ قہر
پتھر بھی جھیل سکتا نہیں ان کے وار کو (طٰہٰ خان صاحب)

اگر قہر و غضب کا وہ نشانہ لیں کسی کا تو
خطا جاتا نہیں ہے یاد رکھو وارِ درویشاں (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

که د ذړه سترګی بینا وی وبه وینی لکه نمر هسی انوار د درویشانو

آنکھیں کھلی ہوں دل کی تو دیکھے بشکلِ مہر
تُو اہلِ حق کی بارگہِ نور بار کو (طٰہٰ خان صاحب)

اگر ہوں دل کی آنکھیں روشن و بینا تو دیکھو گے
چمکتے مہر کی مانند ہیں انوار، سب انوارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

که دی ذړه وی چی دی زنګ شی د ذړه لرے راشه وګوره دیدار د درویشانو

تو بھی ہٹا دے جلوۂ درویش دیکھ کر
اپنے دل و نگاہ پہ چھائے غبار کو (طٰہٰ خان صاحب)

اگر تم چاہتے ہو زنگ دل کا دور ہو جائے
تو یہ ہو جائے گا کر لو اگر دیدارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

که مراد دنیاوی اخروی غواړے هرګز می پریګده جوار د درویشانو

دنیا و آخرت کی اگر خیر چاہئے
ہرگز نہ چھوڑ اہلِ خدا کے دیار کو (طٰہٰ خان صاحب)

اگر ہو چاہتے دنیا و اُخریٰ کی مرادیں تم
تو دیکھو پھر نہ چھوڑو تم در و دیوارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

د رست دیوان د رحمان زار ترد اغزل شه چی بیان ئی کړه کردار د درویشانو

رحمان اس غزل پہ ہو دیوان بھی نثار
لایا ہے اہلِ فقر و حقائق شعار کو (طٰہٰ خان صاحب)

ہو قرباں اس غزل پر تیرا سب دیوان اے رحمانؔ
ہوا جس میں بیاں سب کار اور کردارِ درویشان (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

نعت ۔ علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے

نورِ نبی مُقتبِس از نورِ خدا ہے بندہ کو شرف نسبتِ مولا سے ملا ہے

احمد سے پتہ ذاتِ احد کا جو ملا ہے مصنوع سے صانع کا پتہ سب کو چلا ہے

پڑھتا ہے درود آپ ہی تجھ پر ترا خالق تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے

بندہ کی محبت سے ہے آقا کی محبت جو پیروئے احمد ہے وہ محبوبِ خدا ہے

آمد تری اے ابرِ کرم رونقِ عالم تیرے ہی لئے گلشنِ ہستی یہ بنا ہے

فردوس و جہنم تری تخلیق سے قائم یہ فرقِ بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے

فرمانِ دو عالم تری توقیع سے نافذ تیری ہی شفاعت پہ رحیمی کی بنا ہے

لے جائیگی منزل سے بہت دور بشر کو جو جادہ سفر کہ تیرے جادہ کے سوا ہے

....

(صفحہ نمبر ۱۸ سے آگے)

وقفہ: اس جگہ "سکتہ" سے قدرے زیادہ دیر تک رکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق: یہ "قِیْلَ عَلَیْهِ الْوَقْفُ" کا مخفف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف جائز ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔

قف: یہ لفظ "قِف" ہے جس کا معنی ہے "ٹھہر جاؤ"، اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلے: یہ "اَلْوَصْلُ اَوْلیٰ" کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں کہ "ملا کر پڑھنا بہتر ہے"۔

صل: یہ "قَدْ یُوْصَلُ" کا مخفف ہے، یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں، بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یہ ان مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رو سے ثابت ہو کہ حضور نبی کریم ﷺ نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔